

پرواز

محمد یوسف

فہرست

باب 1 : فیضان –ایک عام زندگی

کراچی کے ایک گنجان آباد علاقے میں، جہاں دن کا شور اور رات کی خاموشی اپنی الگ الگ کہانیاں سناتی ہیں، وہیں ایک عام نوجوان، فیضان، اپنی زندگی کے معمولات میں گم تھا۔

ہر صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ، فیضان کی آنکھ کھلتی تھی، مگر جاگنے کی خواہش اس میں کب کی مر چکی تھی۔ وہ الارم بند کرتا، کچھ لمحے چھت کو گھورتا اور پھر بوجھل قدموں سے بستر چھوڑتا۔

ایک تنگ مگر صاف ستھرا کمرہ، جس میں ایک پرانا سا لکڑی کا بیڈ، ایک چھوٹا سا سائیڈ ٹیبل، اور دیوار پر ایک کیل سے لٹکتا ہوا کیلنڈر، جو کئی دن سے پلٹا نہیں گیا تھا، اس کی دنیا کا خلاصہ تھا۔ ہر دن ایک جیسا، ہر رات ایک سی۔

نہایت معمولی ناشتے کے بعد، جو اکثر چائے اور دو پراٹھوں پر مشتمل ہوتا، وہ جلدی سے باہر نکلتا۔ گھر سے نکلتے ہی اسے گلی کے وہی جانے پہچانے چہرے دکھائی دیتے جو روز صبح اس سے پہلے جاگتے اور رات دیر تک سوتے نہیں۔ کراچی کی ہر گلی میں جیسے وقت تھم سا گیا تھا، لوگ وہی تھے، راستے وہی تھے، اور منزلیں بھی وہی۔

فیضان ایک درمیانے درجے کی کاروباری کمپنی میں اکاؤنٹنٹ تھا۔ ہر روز وہی فائلیں، وہی نمبرز، اور وہی بے رنگ دن۔

دفتر پہنچتے ہی، وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا اور کمپیوٹر اسکرین کے سامنے جھک جاتا۔ اس کے ارد گرد دیگر ملازمین بھی اپنے کام میں مصروف رہتے، مگر سب کی آنکھوں میں ایک سا خالی پن تھا۔ سب کے خواب کہیں نہ کہیں دفن ہو چکے تھے، اور ان کا یقین تھا کہ "زندگی کا اصل مقصد بس مہینے کے آخر میں تنخواہ لینا ہے۔"

کبھی کبھار وہ سوچتا کہ کیا زندگی بس یہی ہے؟ کیا اس کی ساری محنت صرف اس لیے تھی کہ وہ ایک چھوٹے سے کیبن میں بیٹھ کر دوسروں کے لیے حساب کتاب کرتا رہے؟

فیضان کا بچپن ایسا نہ تھا۔ وہ ہمیشہ کچھ بڑا کرنا چاہتا تھا۔ ایک وقت تھا جب وہ راتوں کو دیر تک جاگ کر کہانیاں پڑھتا، خود بھی کہانی لکھنے کی کوشش کرتا، اور خواب دیکھتا کہ ایک دن وہ اپنی پہچان بنائے گا۔ مگر وقت کے ساتھ خواب حقیقتوں کے سامنے کمزور پڑ گئے۔

جب وہ یونیورسٹی میں تھا، تو ہمیشہ یہ سوچتا کہ وہ کوئی ایسی راہ چنے گا جو اسے دوسروں سے الگ کرے گی۔ مگر گریجویشن کے بعد جیسے ہی نوکری کی ضرورت پڑی، سب خواب پیچھے رہ گئے۔ اس کی حقیقت وہی "محفوظ نوکری" بن گئی، جو اسے ایک محدود دائرے میں قید رکھے ہوئے تھی۔

اسے پتا تھا کہ وہ زیادہ کر سکتا ہے، مگر خوفزدہ تھا۔ اگر اس نے قدم باہر نکالا اور ناکام ہو گیا تو کیا ہوگا؟ یہی خوف اسے روک دیتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی اسے کہے کہ وہ کچھ نیا کر سکتا ہے، مگر ہر طرف سے صرف یہی سننے کو ملتا کہ "جو کچھ ہے، اس پر شکر کرو۔"

فیضان اکثر کام کے بعد دفتر کے قریب چائے کے ایک ڈھابے پر جاتا، جہاں بابا کریم بیٹھے ہوتے۔ بابا کریم ایک بوڑھے دانشور تھے، جن کی زندگی کا بیشتر حصہ کراچی کی گلیوں میں گزرا تھا۔ ان کی باتیں عام نہیں ہوتیں، بلکہ زندگی کی گہری حقیقتوں کو چھوتی تھیں۔

ایک دن، جب فیضان نے ان سے اپنی الجھنوں کا ذکر کیا، تو وہ مسکرائے اور کہا:

"بیٹا، پرندہ جب پنجرے میں رہنے کا عادی ہو جائے، تو دروازہ کھلنے کے بعد بھی وہ باہر نہیں نکلتا۔ یہ عادتیں ہی ہیں جو ہمیں جکڑ لیتی ہیں۔"

یہ الفاظ فیضان کے دل میں گونجنے لگے۔ کیا وہ بھی ایک ایسا پرندہ تھا جو کھلی ہوا میں پرواز کرنے کے قابل تھا، مگر خود کو محدود کر چکا تھا؟

فیضان جانتا تھا کہ کچھ بدلنے کی ضرورت ہے، مگر کیا وہ اس تبدیلی کے لیے تیار تھا؟ وہ یہ سوال اپنے ساتھ لیے گھر لوٹا، مگر اس رات نیند نہیں آئی۔

شاید، واقعی، وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنی شاخ خود کاٹ دے۔

باب 2: محدودیت کا پنجرہ

فیضان کراچی کی ایک چھوٹی سی گلی میں واقع اپنے کرائے کے فلیٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔ باہر گلی میں شور تھا، بچے کرکٹ کھیل رہے تھے، کسی گھر سے چوڑیوں کی کھنک سنائی دے رہی تھی، اور کسی دکاندار کی آواز گونج رہی تھی، "آلو لے لو! ٹماٹر لے لو!" کراچی کا یہی رنگ تھا، یہی زندگی تھی، اور شاید یہی محدودیت بھی۔

فیضان کی زندگی ایک مخصوص دائرے میں چل رہی تھی — صبح نوکری، شام تھکن، اور رات دیر تک موبائل اسکرین پر بے مقصد ویڈیوز دیکھتے ہوئے سونے کی کوشش۔ وہ جانتا تھا کہ یہ زندگی اس کی خواہش کے مطابق نہیں تھی، مگر وہ اس دائرے کو توڑنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

"نوکری محفوظ ہے، زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں،" یہ جملہ اس کے ذہن میں بار بار گونجتا تھا۔

یہ جملہ اس کی ماں نے کہا تھا، جب اس نے پہلی بار اپنے بزنس کے خواب کا ذکر کیا تھا۔

یہ جملہ اس کے دوست عمران نے کہا تھا، جب اس نے فری لانسنگ کے بارے میں بات کی تھی۔

یہ جملہ اس کے دفتر کے سینئر، وسیم بھائی نے کہا تھا، جب اس نے ترقی کے محدود مواقع پر سوال اٹھایا تھا۔

یہ جملہ کراچی کے ہر دوسرے محنتی مگر محدود شخص کے ذہن میں نقش تھا، اور فیضان بھی اس دائرے میں قید تھا۔

رات کے پچھلے پہر، جب سب سو چکے ہوتے، فیضان چھت پر بیٹھ کر آسمان کو تکا کرتا۔ وہاں دور کہیں ایک جہاز گزرتا، اور اس کے دل میں خیال آتا:

"کیا میں بھی پرواز کر سکتا ہوں؟"

مگر اگلے ہی لمحے، ایک سوال اس کی امیدوں کے پروں کو کاٹ دیتا:

"اگر ناکام ہو گیا تو؟"

یہی خوف تھا، یہی زنجیر تھی۔

زندگی میں بعض اوقات ایسے لوگ ملتے ہیں، جو صرف ایک جملہ کہہ کر سوچ کا زاویہ بدل دیتے ہیں۔

فیضان کی زندگی میں یہ کردار بابا کریم تھے۔

ایک دن، جب فیضان دفتر سے بیزار ہو کر نکلا، تو وہ بغیر کسی ارادے کے، بس میں بیٹھ کر پرانی نمائش کے قریب ایک پرانی کتابوں کی دکان کے پاس اتر گیا۔ وہیں اسے بابا کریم ملے۔

سفید داڑھی، روشن آنکھیں، اور پر سکون چہرہ۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ دنیا کی حقیقتوں کو کسی اور ہی زاویے سے دیکھتے ہیں۔

"بیٹا، کس سوچ میں گم ہو؟" بابا کریم نے مسکرا کر پوچھا۔

فیضان پہلے تو جھجکا، مگر پھر کہنے لگا، "بس، زندگی کی الجھنیں ہیں۔ کچھ کرنا چاہتا ہوں، مگر خوف آڑے آ جاتا ہے۔ اگر ناکام ہو گیا تو؟"

بابا کریم نے ایک پرانی کتاب اٹھائی، اس کا ایک ورق پلٹ کر پڑھنے لگے، اور پھر گویا ہوئے:

"پرندے کو اگر کھلا آسمان بھی دے دیا جائے، تب بھی وہ اس وقت تک نہیں اڑتا جب تک اس کی شاخ کاٹی نہ جائے۔"

یہ جملہ فیضان کے دل پر بجلی کی طرح گرا۔

گھر واپس آتے ہوئے فیضان سوچتا رہا۔ وہ تو ہمیشہ یہی سمجھتا آیا تھا کہ کامیابی کے لیے محفوظ راستہ لینا ضروری ہے۔ مگر بابا کریم کی بات نے اسے ایک نئی حقیقت سے روشناس کرایا تھا۔

"کیا میں خود اپنی قید میں ہوں؟"

اسے احساس ہوا کہ کراچی میں رہنے والے زیادہ تر لوگ ایک خاص سوچ کے پنجرے میں قید ہیں۔ وہ محنت کرتے ہیں، مگر خطرہ مول لینے سے ڈرتے ہیں۔ وہ خواب دیکھتے ہیں، مگر ان پر یقین نہیں رکھتے۔

یہی محدودیت تھی، یہی سب سے بڑی زنجیر تھی۔

رات کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بابا کریم کی بات کو دہراتا رہا، اور پھر اسے ایک پرانی غزل یاد آ گئی:

"جو شاخ نازک پہ آشیاں ہو گا، ناپائیدار ہو گا

پرواز شرط ہے، ہر بال و پر نہیں ہوتا"

یہ اشعار اس کے دل میں گونجتے رہے۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کی "شاخ" اس کی نوکری تھی، اور جب تک وہ اس پر جما رہے گا، وہ کبھی اڑ نہیں سکے گا۔

اگلے دن دفتر میں جب مینیجر نے کہا، "آج رات دیر تک رکنا ہو گا، نیا پروجیکٹ آیا ہے،" تو فیضان نے پہلی بار سوال کیا:

"مجھے اس پروجیکٹ میں کیا ملے گا؟ ترقی؟ بونس؟ یا بس اضافی کام؟"

مینیجر مسکرایا، "یہ سب سوچنے کی ضرورت نہیں۔ نوکری محفوظ ہے، بس کام کرو۔"

یہی وہ لمحہ تھا جب فیضان کو احساس ہوا کہ اس کا فیصلہ کتنا ضروری ہے۔

اس رات، فیضان نے ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ مزید ایک بے روح زندگی نہیں گزارے گا۔ وہ اپنی شاخ خود کاٹے گا، وہ خطرہ مول لے گا۔

اس نے بابا کریم سے ملنے کا ارادہ کیا، تاکہ جان سکے کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہیے؟

یہ پہلا قدم تھا، پنجرے سے باہر نکلنے کی طرف۔

باب 3: پہلا جھٹکا

کراچی کی وہ صبح عام دنوں جیسی ہی تھی، مگر فیضان کے لیے یہ زندگی کا سب سے غیر معمولی دن بننے والا تھا۔ سڑکوں پر وہی شور، رکشے، بسیں، اور جلدی میں دوڑتے لوگ، مگر دفتر کے دروازے پر کھڑے ہوتے ہی فیضان نے فضا میں ایک عجیب سا بوجھ محسوس کیا۔

"چھانٹی کی لسٹ بن چکی ہے"...

یہ الفاظ اس کے ساتھی کامران کے تھے، جو دبے دبے لہجے میں سرگوشی کر رہا تھا۔

"کیا؟ کس کا نام ہے لسٹ میں؟" فیضان نے تیزی سے پوچھا۔

کامران نے ایک نظر اِدھر اُدھر کی، پھر دھیرے سے کہا، "تمہارا بھی۔"

یہ الفاظ گویا ایک بجلی کی طرح فیضان کے جسم میں دوڑ گئے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

اسے لگا جیسے زمین کھسک گئی ہو، جیسے اس کے چاروں طرف کی دنیا دھندلا گئی ہو۔ وہ شخص جو برسوں سے اس کمپنی کے لیے دن رات محنت کر رہا تھا، آج وہی کمپنی اسے بے یار و مددگار چھوڑ رہی تھی؟

خواب ٹوٹنے کی آواز اکثر خاموش ہوتی ہے، مگر دل میں زلزلہ برپا کر دیتی ہے۔

دفتر کے اندر وہی رسمی کاروائی ہو رہی تھی۔ ایچ آر کا نمائندہ لسٹ میں شامل افراد کو "بدقسمتی" کے ساتھ کمپنی چھوڑنے کا نوٹس دے رہا تھا۔ وہ رسمی جملے جو کسی کو بھی تسلی نہیں دے سکتے:

"یہ صرف بزنس کا فیصلہ ہے، آپ کی کارکردگی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"ہمیں افسوس ہے، مگر کمپنی کو کچھ سخت فیصلے لینے پڑے۔"

فیضان کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ وہ ساکت کھڑا، ایک بے حس و حرکت مجسمے کی طرح یہ سب سن رہا تھا۔ دل میں عجیب سا خوف سرایت کر گیا تھا۔

"اب کیا ہو گا؟"

"میری زندگی تو اس نوکری پر منحصر تھی"...

"کیا میں واقعی اس قابل نہیں تھا؟"

یہ سوالات کسی تیز دھار خنجر کی طرح اس کے ذہن میں گھوم رہے تھے۔

وہ رات شاید اس کی زندگی کی سب سے طویل رات تھی۔ چھت کو گھورتے ہوئے، خیالات کے بے رحم طوفان میں پھنسا ہوا تھا۔

"کیا میں دوبارہ نوکری حاصل کر پاؤں گا؟"

"اگر نہ ملی تو؟"

"کیا میں اپنی زندگی کا وہی محدود دائرہ پھر سے اختیار کر لوں؟"

اندھیرے میں ایک خیال بار بار سر اٹھا رہا تھا۔ ایک ایسا خیال جسے وہ ہمیشہ دبانے کی کوشش کرتا آیا تھا۔

"شاید یہ موقع ہے کچھ نیا کرنے کا۔"

مگر ساتھ ہی خوف کی ایک زنجیر اسے جکڑ لیتی۔

"نیا؟ لیکن کیسے؟ میں ناکام ہو گیا تو؟"

یہی خوف سب سے بڑا دشمن تھا۔

اگلے دن، بوجھل قدموں کے ساتھ فیضان ساحل کی طرف چل نکلا۔ سمندر ہمیشہ اس کا ٹھکانہ رہا تھا، جہاں وہ اپنے خیالات کو ترتیب دینے آتا تھا۔ وہ ایک پرانی بنچ پر بیٹھا تھا، جہاں اکثر بابا کریم سے ملاقات ہوتی تھی۔

بابا کریم، ایک عمر رسیدہ مگر پرکشش شخصیت کے مالک، جو کراچی کی گلیوں اور زندگی کی حقیقتوں کے گواہ تھے۔ فیضان نے ان کی طرف دیکھا، جیسے ان کی خاموشی میں کوئی جواب ڈھونڈ رہا ہو۔

"کیا ہوا، بیٹا؟"

فیضان نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، "زندگی نے مجھے فالتو سمجھ کر باہر پھینک دیا۔"

بابا کریم نے ایک گہری سانس لی اور سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:

"بیٹا، پرندہ جب تک شاخ پر بیٹھا رہتا ہے، اسے اپنی پرواز کا اندازہ نہیں ہوتا۔"

فیضان خاموش رہا۔

"کبھی کبھی زندگی تمہاری شاخ کاٹ دیتی ہے، تاکہ تمہیں پتا چلے کہ تمہاری اپنی طاقت کیا ہے۔"

وہ الفاظ اس کے دل میں پیوست ہو گئے۔ کئی دن تک وہ سوچتا رہا کہ آیا وہ واقعی کچھ نیا کر سکتا ہے یا نہیں؟

ایک رات، وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا، سامنے نوکری کی پرانی فائلیں بکھری ہوئی تھیں، اور ساتھ ہی کچھ نئے خیالات کے خاکے۔

"اگر میں اپنی IT سروسز کی کمپنی شروع کروں تو؟"

مگر اندر سے ایک اور آواز آئی:

"یہ خطرہ ہے! کیا تم ناکامی برداشت کر پاؤ گے؟"

فیضان نے اپنے خیالات کو ترتیب دینا چاہا، مگر اندرونی جنگ جاری رہی۔

کب تک رہوں میں قفس کی زنجیروں میں؟
کب تک رکوں میں پرانی تقدیروں میں؟
یہ وقت ہے، خود کو پہچاننے کا،
یہ وقت ہے، خود کو آزمانے کا !

یہ اشعار اچانک اس کے ذہن میں اترے، جیسے کسی نے اندر سے روشنی جلا دی ہو۔

کئی دنوں کی کشمکش کے بعد، اس نے آخر کار فیصلہ کر لیا۔

"میں اب کسی اور کے خواب پورے کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کے لیے کام کروں گا"!

یہ پہلا قدم تھا۔

زندگی میں سب سے مشکل لمحہ وہ ہوتا ہے جب ہم اپنے خوف کو ہرا دیتے ہیں۔

فیضان کے اندر کچھ بدل چکا تھا۔ وہ اب محدودیت کے دائرے سے نکلنے کے لیے تیار تھا۔

بابا کریم کی باتیں اب اس کے لیے واضح ہو چکی تھیں:

"زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے ضروری نہیں کہ پر لگیں، بس ہمت ہونی چاہیے"!

یہ وہ دن تھا جب اس نے اپنے اندر چھپی طاقت کو پہچان لیا۔

پہلا جھٹکا ہمیشہ تکلیف دیتا ہے، مگر یہیں سے اصل پرواز شروع ہوتی ہے!

باب 4: قدم باہر نکالنا مشکل ہوتا ہے

فیضان نے جب یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی IT سروسز کمپنی شروع کرے گا، تو دل میں ایک جوش تھا، ایک امید کی کرن جو اسے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ آسان نہیں ہوگا، مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ اپنی زندگی کو خود اپنی شرائط پر جیئے گا۔

فیضان نے اپنی کمپنی کے لیے ایک چھوٹا سا دفتر کرائے پر لیا۔ دفتر کیا تھا، ایک چھوٹا سا کمرہ، جس میں ایک پرانا کمپیوٹر، ایک میز، اور دو کرسیاں تھیں۔ مگر یہ جگہ اس کے لیے کسی محل سے کم نہ تھی، کیونکہ یہ اس کے خوابوں کا آغاز تھا۔

"یہ دنیا خوابوں کی دنیا ہے،
جو جاگے گا وہی پائے گا۔"

مگر جیسے ہی اس نے کام کا آغاز کیا، حقیقت کی کڑوی سچائیاں اس کے سامنے آنے لگیں۔ اس نے سوچا تھا کہ لوگ اس کی صلاحیتوں کو فوراً تسلیم کر لیں گے، مگر ایسا نہ ہوا۔

کلائنٹس نہیں مل رہے، لوگ اعتبار نہیں کر رہے، سرمایہ کم ہے۔

فیضان نے اپنی کمپنی کے اشتہارات آن لائن اور مقامی مارکیٹ میں دینا شروع کیے، مگر کئی ہفتے گزر گئے اور کوئی بھی سنجیدہ کلائنٹ نہ ملا۔ جو چند لوگ اس سے رابطہ کرتے، وہ یا تو غیر ضروری رعایت مانگتے یا پھر کسی بڑی کمپنی کی طرف چلے جاتے۔

اس کے پاس سرمایہ محدود تھا، اور جتنی بچت تھی وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ ہر دن کے ساتھ اس کے دل میں بے یقینی بڑھتی جا رہی تھی۔

فیملی اور دوستوں کا دباؤ: "یہ سب چھوڑ کر کوئی اچھی نوکری کر لو"!

فیضان کے والدین، جو اس کی نوکری سے خوش تھے، اب پریشان ہونے لگے تھے۔ وہ ہر روز اس سے کہتے:

"بیٹا، ایک اچھی نوکری کرو، یہ کاروبار سب کے بس کی بات نہیں۔"

دوست بھی مذاق اڑاتے: "یہ کیا بچوں والا کھیل کھیل رہے ہو؟ نوکری کرو، زندگی میں سیٹ ہو جاؤ"!

یہ سن کر اس کا دل کئی بار کمزور پڑنے لگتا۔

ہر ناکامی کے ساتھ اس کا خود پر سے اعتماد کم ہونے لگا۔ اس کی راتیں بے خوابی میں گزرتیں۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبا رہتا:

"کیا میں نے غلط فیصلہ کر لیا؟"

"کیا واقعی میں اس قابل ہوں کہ کچھ بڑا کر سکوں؟"

یہ وہ لمحے تھے جب وہ کئی بار ہار ماننے کے قریب آ گیا۔

ایک رات، جب وہ شدید مایوس تھا، اس نے سوچا کہ بابا کریم سے جا کر ملے۔ وہ کراچی کے ایک پرانے دانشور تھے، جو زندگی کے بارے میں گہری سمجھ رکھتے تھے۔

فیضان نے جب اپنی ساری پریشانی ان کے سامنے رکھی، تو بابا کریم مسکرا کر بولے:

"اگر زمین پر رہو گے، تو زمین کا حصہ بن جاؤ گے۔ پرواز کرنے کے لیے ہمت کرنی ہوگی"!

فیضان نے حیران ہو کر پوچھا، "مگر میں کیا کروں؟ سب کچھ ناکام ہو رہا ہے۔"

بابا کریم نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا، جس کی ایک شاخ کافی کمزور لگ رہی تھی۔ وہ قریب گئے اور اپنی چھڑی سے اس شاخ کو ہلایا۔ شاخ ٹوٹ گئی اور زمین پر آ گری۔

"دیکھا؟ جب تک یہ شاخ جُڑی تھی، یہ زمین کے قریب تھی۔ جیسے ہی یہ کٹی، یہ ہوا میں آ گئی۔ بیٹا، تمہیں بھی اپنی پرانی سوچوں کی شاخ کاٹنی ہوگی"!

بابا کریم کی یہ بات فیضان کے دل میں اتر گئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی سوچ کو بدل کر دیکھے گا۔ اس نے خود کو مایوسی سے آزاد کرنے کے لیے چند اقدامات کیے:

- اپنے نیٹ ورک کو بڑھایا: وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملا، اپنی کمپنی کے بارے میں بتایا، اور نئے کلائنٹس کی تلاش شروع کی۔
- سوشل میڈیا کا استعمال کیا: اس نے اپنی خدمات کی مارکیٹنگ آن لائن شروع کی، اور آہستہ آہستہ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے لگا۔
- اپنے آپ کو یاد دلایا کہ کامیابی وقت لیتی ہے: اس نے اپنے کمرے کی دیوار پر یہ الفاظ لکھ لیے:

"جو ہمت ہارے، وہ گر جائے،

جو صبر کرے، وہ جیت جائے"!

کچھ ہفتوں بعد، فیضان کے پاس ایک بڑا کلائنٹ آیا، جسے اس کے کام میں دلچسپی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب کسی نے اس پر مکمل اعتماد کیا۔ اس نے اپنا بہترین کام کیا، اور نتیجہ حیران کن تھا۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ مزید لوگ اس سے رابطہ کرنے لگے۔ کام بڑھنے لگا، اور اس کا اعتماد بحال ہونے لگا۔

یہ سفر فیضان کے لیے ایک سبق تھا:

- ناکامی ایک قدم ہے، آخری منزل نہیں۔
- اگر ہمت کرو گے، تو راستے خود بن جائیں گے۔
- زندگی میں خطرہ مول لیے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔

فیضان نے بابا کریم کا شکریہ ادا کیا اور کہا،

"اب میں سمجھ گیا ہوں،

پرندے کی پرواز ہوا کی محتاج نہیں،

بس اسے اپنی شاخ کاٹنی پڑتی ہے"!

یہی وہ لمحہ تھا جب فیضان نے سچ میں پرواز شروع کی۔

باب 5: محدودیت کی شاخ کاٹنا

کراچی کی وہ صبح معمول سے کچھ زیادہ ہی بوجھل تھی۔ فیضان نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو ہر طرف بادلوں کا راج تھا، ہوا میں خنکی اور اداسی کی آمیزش تھی۔ وہ تیزی سے تیار ہوا، کیونکہ آج کا دن اس کے لیے بہت اہم تھا۔ آج اس کی ایک بڑی کمپنی کے ساتھ میٹنگ تھی، جو اس کے کاروبار کو ایک نئی سمت دے سکتی تھی۔

گاڑی سڑک پر آتے ہی جیسے کراچی کی روزمرہ کی حقیقتوں سے ٹکرا گئی۔ سڑکوں پر گاڑیاں رینگ رہی تھیں، اور بارش کی بوندیں ونڈ اسکرین پر مسلسل ناچ رہی تھیں۔ فیضان نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی، وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور وہ مسلسل ٹریفک میں پھنسا ہوا تھا۔

"یا اللہ! یہ کیا مصیبت ہے؟" وہ بڑبڑایا، دل میں بے چینی اور مایوسی کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔

وقت جیسے اس کے خلاف سازش کر رہا تھا۔ وہ ہارن بجاتا، راستہ بنانے کی کوشش کرتا، مگر سب بے سود تھا۔ جب وہ آخر کار منزل پر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ میٹنگ ختم ہو چکی تھی، اور کلائنٹ کسی اور سے ڈیل کر چکا تھا۔

فیضان کے اندر جیسے سب کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ وہ جو امیدوں کے ساتھ یہاں آیا تھا، ایک شکستہ انسان کی طرح واپس لوٹ رہا تھا۔

اس رات، فیضان کے ذہن میں خیالات کا طوفان برپا تھا۔ وہ اپنے فیصلے پر پچھتا رہا تھا۔ "کیا میں نے غلطی کی؟ کیا مجھے اس نئے راستے پر چلنا ہی نہیں چاہیے تھا؟"

یہی سوچتے سوچتے وہ بابا کریم کے پاس جا پہنچا۔

وہ بابا کریم کی چھوٹی سی دکان میں داخل ہوا، جہاں ہمیشہ روشنی کا ہلکا سا ہالہ رہتا تھا۔ بابا کریم اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے چائے کے گھونٹ لے رہے تھے۔ فیضان ان کے سامنے بیٹھ گیا اور گہری سانس لے کر بولا:

"بابا! میں یہ سب نہیں کر سکتا۔ میں تھک چکا ہوں، ہار چکا ہوں۔ میرا بس نہیں چلتا کہ سب کچھ چھوڑ کر اپنی پرانی زندگی میں واپس چلا جاؤں۔ وہاں کم از کم یہ دردناک ناکامیاں تو نہیں تھیں۔"

بابا کریم نے فیضان کو غور سے دیکھا اور مسکرا کر ایک درخت کی شاخ توڑ کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"یہ دیکھو، جب تک شاخ جُڑی تھی، یہ زمین کے قریب تھی۔ جیسے ہی یہ کٹی، یہ ہوا میں آ گئی۔ تمہیں بھی اپنی پرانی سوچوں کی شاخ کاٹنی ہوگی" !

فیضان نے حیرت سے بابا کریم کی طرف دیکھا۔

بابا کریم نے اپنی چائے کی پیالی نیچے رکھی اور کہا:

"بیٹا! تمہارے ساتھ مسئلہ یہ نہیں کہ تم ناکام ہو رہے ہو، مسئلہ یہ ہے کہ تم نے خود کو اس شاخ سے باندھ رکھا ہے جس پر تم بیٹھے ہو۔ تم اپنی محدودیت کے پنجرے سے نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ اور جب کوئی تمہیں باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے، تم خوفزدہ ہو جاتے ہو۔"

فیضان نے بے یقینی سے سر ہلایا۔ "لیکن بابا! میں کیسے یقین کروں کہ اگر میں نے یہ شاخ کاٹ دی تو میں واقعی اُڑ سکوں گا؟"

بابا کریم نے مسکرا کر جواب دیا:

"یہی تو اصل ایمان ہے بیٹا۔ جو پرندہ پہلی بار گھونسلے سے نکلتا ہے، اسے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اُڑ سکے گا یا نہیں، مگر وہ پھر بھی کوشش کرتا ہے۔"

یہ سنتے ہی فیضان کے ذہن میں ایک شعر گونج اٹھا:

"مسافرِ شب کی دہلیزوں پہ رکنے والے نہیں ہوتے،

جو گر جاتے ہیں راہوں میں، وہی منزل کو پاتے ہیں۔"

اس رات، فیضان نے خود سے جنگ لڑی۔

وہ جانتا تھا کہ اگر آج ہار گیا تو پھر کبھی آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ وہ اپنی محدود سوچ کی زنجیریں توڑنے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

"یہ آسان نہیں ہوگا، مگر اگر میں پیچھے ہٹ گیا تو میں ہمیشہ کے لیے رک جاؤں گا۔" اس نے خود سے کہا۔

اگلے دن، اس نے اپنے دفتر میں نئی حکمت عملی پر کام کرنا شروع کیا۔ اس نے نیٹ ورکنگ پر توجہ دی، کلائنٹس کے ساتھ نئے روابط قائم کیے اور سب سے اہم بات — اس نے اپنی سوچ بدل لی۔

"اگر میں اس راستے پر چل پڑا ہوں تو اب مجھے پیچھے نہیں ہٹنا۔"

کچھ مہینوں بعد، ایک دن اس کے فون کی گھنٹی بجی۔ یہ وہی کلائنٹ تھا جس کے ساتھ اس کی میٹنگ مس ہو گئی تھی۔

"فیضان صاحب، ہمیں آپ کی سروسز کے بارے میں بہت اچھا فیڈ بیک ملا ہے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ کام کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں؟"

فیضان کو لگا جیسے کسی نے اسے نئی زندگی دے دی ہو۔ وہ مسکرایا اور پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا:

"جی! میں تیار ہوں۔"

اس دن، فیضان کو محسوس ہوا کہ وہ واقعی ایک نئی دنیا میں داخل ہو چکا ہے۔ وہی شخص جو کچھ مہینے پہلے اپنی زندگی کے بارے میں مایوس تھا، آج خود کو مضبوط محسوس کر رہا تھا۔

بابا کریم کی بات سچ ثابت ہوئی تھی:

"جو اپنی شاخیں خود کاٹتے ہیں، وہی پرواز کرنا سیکھتے ہیں۔"

کراچی کی وہی سڑکیں، وہی لوگ، مگر آج سب کچھ مختلف لگ رہا تھا۔ آج وہ جان چکا تھا کہ:

"جو ہواؤں کا رخ بدلنے کا حوصلہ رکھتے ہیں،

وہی دنیا کو اپنی منزل بنا لیتے ہیں۔"

باب 6: پہلی کامیابی

رات کا دوسرا پہر تھا۔ فیضان اپنے چھوٹے سے کمرے میں کمپیوٹر کی روشنی میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر کراچی کی روشنیوں میں ایک عجیب سا سکون تھا، مگر اس کے اندر طوفان برپا تھا۔ وہ ہار نہیں ماننا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کامیابی ایک لمحے کی دوری پر ہے، بس اسے ہمت نہیں ہارنی تھی۔

یہ راہِ محبت ہے، آسان نہیں ہوتی

دھوپ سہنی پڑتی ہے، بارش میں بھیگنا پڑتا ہے

اور جب اندھیری رات چھا جائے

تو خود اپنا چراغ جلانا پڑتا ہے

فیضان نے کمپیوٹر پر اپنی پریزنٹیشن کی فائل کو دوبارہ کھولا۔ یہ پروجیکٹ اس کے خوابوں کی پہلی سیڑھی تھی۔ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا تو اس کی کمپنی کو پہچان مل سکتی تھی۔ یہ کراچی کی ایک بڑی ای کامرس کمپنی تھی جو اپنی ویب سائٹ کی بہتری کے لیے کسی فری لانسر کی تلاش میں تھی۔ مگر مقابلہ سخت تھا۔ کئی نامور ادارے اور افراد اس پروجیکٹ کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کر رہے تھے۔

فیضان نے ماضی کی اپنی تمام غلطیوں پر غور کیا۔ ہر بار جب اس نے کسی کلائنٹ سے ملاقات کی تھی، اس نے کچھ نہ کچھ نیا سیکھا تھا۔ اس بار وہ ہر پہلو پر غور کر چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک منفرد تجویز ہی اسے دوسروں سے آگے لے جا سکتی ہے۔

وہ پوری رات کام میں مصروف رہا، ہر چھوٹے سے چھوٹے نکتے پر دھیان دیا۔ صبح جب اس کی پریزنٹیشن مکمل ہوئی تو سورج کی پہلی کرن کراچی کے آسمان پر نمودار ہو رہی تھی۔

محنت کا چراغ جب جلایا جاتا ہے

تو اندھیرے خود ہی سمٹ جاتے ہیں

راستے کی مشکلات سکھاتی ہیں

کہ منزل تک پہنچنے کے لیے حوصلہ ضروری ہے

پیشکش کا دن آ چکا تھا۔ فیضان کی آنکھوں میں نیند تھی، مگر دل میں جوش تھا۔ اس نے ایک عام حلیے کے بجائے ایک پروفیشنل لباس کا انتخاب کیا۔ خود اعتمادی کا پہلا قدم یہ تھا کہ وہ خود کو پیش کرنے کا طریقہ سیکھے۔

وہ کمپنی کے مرکزی دفتر پہنچا، جہاں دیگر امیدوار بھی موجود تھے۔ کچھ کے پاس سالوں کا تجربہ تھا، کچھ نامور کمپنیوں سے آئے تھے۔ فیضان کے پاس صرف اس کا جذبہ تھا، اس کا خواب تھا۔

پیشکش کے دوران، اس نے نہایت سکون اور اعتماد کے ساتھ اپنی تجویز رکھی۔ اس کی زبان میں روانی تھی، اس کے الفاظ میں سچائی تھی۔ جب اس نے اپنی پریزنٹیشن ختم کی تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ چند لمحوں کے بعد کمپنی کے سی ای او نے سر ہلایا اور مسکراتے ہوئے کہا،

"ہمیں تمہاری سوچ پسند آئی، ہم تمہیں یہ پروجیکٹ دینا چاہتے ہیں۔"

یہ جملہ سنتے ہی فیضان کے اندر ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سفر آسان نہیں ہوگا، مگر یہ اس کی پہلی جیت تھی۔

اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی۔ جب اس نے ای میل پر کنفرمیشن دیکھی، تو ایک لمحے کے لیے اسے یقین نہیں آیا۔ وہ کر چکا تھا! وہ حقیقتاً اپنی پہلی بڑی کامیابی حاصل کر چکا تھا۔

وہ اپنے چھوٹے سے فلیٹ کی چھت پر جا کر کھڑا ہوا۔ کراچی کی ہوا میں آج ایک الگ سی تازگی تھی۔ اس نے اپنے موبائل سے بابا کریم کو کال کی۔

"بابا جی! میں کامیاب ہو گیا!" اس کے لہجے میں خوشی تھی۔

دوسری طرف سے بابا کریم کی مسکراتی ہوئی آواز آئی، "میں نے کہا تھا نا بیٹا، جب پرندہ ہمت کرتا ہے تو آسمان بھی اس کے راستے کھول دیتا ہے۔"

یہ کامیابی کا پہلا قدم ہے، رکنا مت
منزل ابھی دور ہے، مگر راستہ صاف ہے
سفر کا مزہ اسی میں ہے
کہ ہر موڑ پر کچھ نیا سیکھنے کو ملے

جیتنے کے بعد اصل امتحان شروع ہوتا ہے۔ فیضان نے پروجیکٹ پر کام شروع کیا۔ مگر جیسے جیسے کام بڑھا، اس پر دباؤ بھی بڑھنے لگا۔

- اسے نئے سافٹ ویئر سیکھنے پڑے۔
- ٹیم کو بہتر بنانا تھا۔
- کلائنٹس کی توقعات پر پورا اترنا تھا۔
- اپنی مہارت کو مزید نکھارنا تھا۔

یہاں اسے احساس ہوا کہ کامیابی حاصل کرنا ایک بات ہے، مگر اسے برقرار رکھنا اور آگے بڑھنا ایک اور چیلنج ہے۔

ہر قدم پر نئی آزمائش
ہر موڑ پر نیا امتحان
زندگی کی یہ ہے حقیقت
سفر ہے، رکنا نہیں

فیضان نے ٹیم کے ساتھ دن رات محنت کی۔ کئی بار اسے ناکامی کا سامنا ہوا، مگر وہ رکنے والوں میں سے نہیں تھا۔

ایک دن، جب پروجیکٹ مکمل ہو کر کمپنی کے سامنے پیش کیا گیا تو ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر سی ای او نے سر ہلایا اور کہا:

"بہت زبردست کام کیا ہے، ہم تم سے مزید پروجیکٹس پر کام کرنا چاہتے ہیں۔"

یہ لمحہ اس کے لیے سب سے خاص تھا۔ اس نے خود کو ثابت کر دیا تھا۔

اب وہ جانتا تھا کہ اس کی منزل صرف ایک کامیابی نہیں بلکہ ایک مسلسل جدوجہد ہے۔ وہ مزید بڑا سوچنے لگا، وہ مزید آگے بڑھنے کا خواب دیکھنے لگا۔

اسے سمجھ آ گیا تھا کہ اصل کامیابی وہ ہوتی ہے جو مستقل رہے، جو دوسروں کے لیے بھی راستے کھولے۔

یہ پہلا قدم تھا، آگے بڑھنا ہے
یہ پہلی پرواز تھی، اونچی اڑان بھرنی ہے
یہ کامیابی کی شروعات ہے
اب نئے خواب سجانے ہیں، نئے راستے بنانے ہیں

فیضان نے اس دن ایک اہم سبق سیکھا:

- ناکامی ہمیشہ ختم نہیں ہوتی، بلکہ ایک نیا راستہ دکھاتی ہے۔
- کامیابی صرف محنت سے نہیں، مستقل مزاجی اور خود اعتمادی سے بھی ملتی ہے۔
- خواب دیکھنا آسان ہے، مگر ان کو حقیقت میں بدلنا ہمت کا کام ہے۔

یہ اس کی پہلی جیت تھی، مگر آخری نہیں۔ اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی اپنی حدوں میں قید نہیں رہے گا۔ وہ ہمیشہ اڑنے کے لیے تیار رہے گا۔

زندگی کا یہ اصول یاد رکھو
جو ہمت نہیں ہارتا، وہی جیتتا ہے!

باب 7: کراچی، ایک بدلتا ہوا خواب

فیضان کا نام اب کراچی کے کاروباری حلقوں میں جانا پہچانا جاتا تھا۔ وہی شخص جو کبھی ایک عام اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے محدود سوچ میں قید تھا، آج ایک کامیاب برانڈ کا بانی بن چکا تھا۔ اس کی کمپنی جدید ٹیکنالوجی اور سروسز کی دنیا میں اپنا لوہا منوا چکی تھی۔ کراچی کی بلند و بالا عمارتوں کے درمیان ایک شاندار دفتر میں بیٹھا وہ اپنی کامیابی کی داستان کو یاد کر رہا تھا۔

کبھی وہ بھی انہی گلیوں کا مسافر تھا، انہی سڑکوں پر چلتا، انہی خوابوں میں گم، مگر خوف کے پنجوں میں جکڑا ہوا۔ آج بھی رات کے وقت جب وہ اپنی دفتر کی کھڑکی سے نیچے دیکھتا، تو سڑکوں پر چلنے والے محنت کش، چھوٹے دکاندار اور مزدور اسے اپنے ماضی کی یاد دلاتے۔

"یہ وہی شہر ہے جہاں میں نے خواب دیکھنا سیکھا تھا، اور جہاں میں نے انہی خوابوں کو حقیقت بنانے کے لیے اپنی حدوں سے آگے نکلنے کی کوشش کی تھی۔"

ایک دن فیضان نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے ماضی کی کچھ گلیوں میں دوبارہ جائے گا، جہاں اس کا سفر شروع ہوا تھا۔ وہ اپنے پرانے دفتر کے قریب پہنچا تو سب کچھ تقریباً ویسا ہی تھا۔ وہی لوگ، وہی ماحول، وہی سوچ۔ فرق صرف اتنا تھا کہ فیضان اب آگے نکل چکا تھا، مگر اس کے کئی پرانے ساتھی وہیں کے وہیں تھے۔

پرانے دفتر کے باہر کچھ واقف چہرے نظر آئے۔ سعید، جو ہمیشہ چائے کے اسٹال پر کھڑا گپ شپ میں مصروف رہتا تھا، آج بھی ویسے ہی تھا۔ حسن، جو ہمیشہ ایک نئی نوکری کے خواب دیکھتا تھا، آج بھی اسی کرسی پر بیٹھا تھا۔

فیضان نے مسکراتے ہوئے کہا، "یار، تم سب ابھی تک یہیں ہو؟ کیا تم نے کبھی سوچا کہ آگے بھی بڑھ سکتے ہو؟"

حسن نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، "فیضان، تم خوش نصیب ہو۔ ہم کہاں جا سکتے ہیں؟ زندگی میں رسک لینا سب کے بس کی بات نہیں۔"

فیضان نے گہری سانس لی اور بولا:

"زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے ضروری نہیں کہ پر لگیں، بس ہمت ہونی چاہیے۔

یہی شہر ہے، یہی راستے ہیں، فرق صرف سوچ میں ہے۔ اگر میں نکل سکتا ہوں تو تم بھی نکل سکتے ہو۔ مگر اس کے لیے پہلے خود پر یقین کرنا ہوگا۔"

پھر فیضان نے ایک شعر پڑھا، جس نے سب کو خاموش کر دیا:

- خواب وہ نہیں جو نیند میں آئیں، خواب وہ ہیں جو نیند اُڑا دیں
- سفر وہی ہے جو منزل کے قریب لے جائے

حسن اور سعید اس کے الفاظ پر غور کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں کچھ دیر کے لیے چمک آئی، مگر پھر وہی پرانی بے یقینی۔

سعید نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا، "فیضان، ہم سب چاہتے ہیں کہ کچھ نیا کریں، مگر مسائل بہت ہیں۔ گھر کی ذمہ داریاں، نوکری کی مجبوری، رسک لینے کا خوف... یہ سب حقیقتیں ہیں۔"

فیضان نے سعید کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا، "یہ حقیقتیں ہر کسی کی زندگی میں ہوتی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ تم ان حقیقتوں کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہو یا ان سے آگے نکلنا چاہتے ہو؟ تمہارا خوف ہی تمہاری سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر میں کہوں کہ تم جو چاہتے ہو، وہ سب ممکن ہے، بس پہلا قدم اٹھانے کی ضرورت ہے؟"

فیضان نے ان سب کو اپنی کمپنی کے دفتر آنے کی دعوت دی۔ "آؤ، دیکھو، سیکھو اور خود کو پرکھو۔ میں تمہیں وہ سب سکھاؤں گا جو میں نے سیکھا ہے، مگر فیصلہ تمہیں خود کرنا ہوگا۔"

یہ وہ لمحہ تھا جب حسن اور سعید کی آنکھوں میں ایک نیا خواب جاگا۔

- قدم بڑھاؤ، راہیں خود کھل جائیں گی
- جو ڈرتے ہیں، وہ پیچھے رہ جاتے ہیں

کراچی ایک ایسا شہر تھا جہاں خواب دیکھنے والے بے شمار تھے، مگر ان خوابوں کو حقیقت میں بدلنے والے کم۔ فیضان نے فیصلہ کیا کہ وہ نہ صرف خود آگے بڑھے گا بلکہ دوسروں کو بھی ہمت دے گا۔

حسن، سعید اور کچھ اور لوگ اس کے ساتھ مل گئے۔ انہوں نے اس کی کمپنی میں شامل ہو کر خود کو نئی مہارتیں سیکھنے کے لیے تیار کیا۔

چند سال بعد، حسن اور سعید بھی کامیاب ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے راستے خود تلاش کیے۔

فیضان نے ایک تقریب میں کھڑے ہو کر کہا:

"کراچی کے باسیوں، تم سب کے اندر طاقت ہے، بس اس خوف کی زنجیر کو توڑنے کی ضرورت ہے۔ جو پرواز نہیں کرتے، وہی زندگی کے پنجرے میں قید رہتے ہیں۔"

- ہر گلی، ہر راہ، ہر موڑ پہ ایک نیا خواب ہے
- مگر حقیقت وہی بنتی ہے، جو ہم خود سنواریں

یہی کراچی تھا، یہی اس کے باسی تھے، مگر اب وہ آگے بڑھ چکے تھے۔

باب 8: اصل پرواز

رات کی سیاہی آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی، مشرقی افق پر روشنی کی ایک ہلکی سی لکیر نمودار ہو رہی تھی۔ کراچی کی گلیاں، جو رات بھر جاگتی ہیں، اب نینداور بیداری کے درمیان جھول رہی تھیں۔

فیضان اپنے گھر کی بالکونی میں کھڑا تھا، صبح کی تازہ ہوا میں گہری سانس لیتے ہوئے۔ یہ وہی کراچی تھا، جہاں وہ کبھی اپنی محدودیت میں قید تھا، مگر آج وہ خود کو آزاد محسوس کر رہا تھا۔

کبھی سوچا نہ تھا یہ دن بھی دیکھوں گا میں
جو خواب دیکھے تھے، حقیقت میں جی سکوں گا میں

اس کی نظریں آسمان پر جا ٹھہریں، جہاں پرندے ایک نئے دن کے آغاز کے ساتھ ہی اڑان بھر رہے تھے۔ ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل گئی۔

"آخر میں نے بھی پرواز سیکھ لی۔۔۔"

چند سال پہلے کا وہ دن یاد آیا جب اس کی نوکری چلی گئی تھی۔ وہی لمحہ جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

کبھی وہ اس دن کو بدقسمتی سمجھتا تھا، مگر آج وہ جانتا تھا کہ وہ دن اس کی زندگی کا سب سے اہم موڑ تھا۔ اگر وہ نوکری نہ گئی ہوتی تو شاید وہ کبھی اپنی حدود کو نہ توڑ پاتا۔

کبھی گِر کے اُٹھا ہوں، کبھی ہار کے جِیا ہوں
ہر درد کا شکریہ، میں اب سنوار چکا ہوں

اسے بابا کریم کی باتیں یاد آئیں:

"بیٹا، پرندے کو اگر کھلا آسمان بھی دے دیا جائے، تب بھی وہ اس وقت تک نہیں اڑتا جب تک اس کی شاخ کاٹی نہ جائے۔"

وہ دن جب بابا کریم نے ایک درخت کی شاخ توڑ کر اس کے ہاتھ میں دی تھی، اس کا مفہوم آج مکمل طور پر واضح ہو چکا تھا۔

فیضان نے بابا کریم کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ شخص، جس نے اسے ہمت دی، وہ اس کامیابی کا اصل گواہ ہونا چاہیے۔

جب وہ بابا کریم کے دروازے پر پہنچا، تو دروازہ پہلے ہی کھلا تھا۔ بابا کریم ایک پرانی کرسی پر بیٹھے، چائے کی چُسکیاں لے رہے تھے۔

"آ گئے، میرے شاہین؟" بابا کریم نے مسکرا کر کہا۔

فیضان نے احترام سے سر جھکایا اور ان کے قریب بیٹھ گیا۔ "ہاں بابا، میں آ گیا۔"

بابا کریم نے غور سے اسے دیکھا، جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اس کا پورا سفر دیکھ رہے ہوں۔

"تو، کیسا لگ رہا ہے ہوا میں اُڑ کر؟"

فیضان نے ایک گہری سانس لی اور نظریں جھکا کر کہا، "اگر میں اپنی شاخ نہ کاٹتا تو شاید کبھی نہیں اڑ پاتا۔"

بابا کریم ہنس پڑے۔ "یہی تو زندگی کا سب سے بڑا سبق ہے، میرے بچے۔ ہم سب اپنی خود کی بنائی ہوئی شاخوں پر بیٹھے رہتے ہیں۔ کبھی خوف کی شاخ، کبھی سستی کی، کبھی عادت کی۔ مگر جو ہمت کر کے اس شاخ کو کاٹ دیتا ہے، وہی اصل پرواز بھرتا ہے۔"

فیضان نے ماضی کے اپنے اُس بزدل نفس سے بات کرنے کا سوچا۔ وہ شخص جو ایک معمولی سی نوکری میں سکون تلاش کر رہا تھا، جو اپنی ہمت کو دباتا رہا، جو ایک محدود دائرے میں جیتا رہا۔

"تم وہی ہو، جو ڈرتا تھا، ہار مان لیتا تھا؟
میں وہی ہوں، جو اٹھا، گرا اور پھر سنبھلا؟"

اُسے احساس ہوا کہ زندگی کی اصل کامیابی وہ لمحہ تھا جب اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود کو محدود نہیں کرے گا۔

اب وہ دوسروں کے لیے ایک مثال تھا۔ لوگ اس کے پاس آکر مشورہ لیتے، کہ وہ بھی اپنی شاخیں کاٹ کر آگے بڑھ سکیں۔

فیضان نے ایک اکیڈمی کھولی جہاں وہ نوجوانوں کو سکھاتا کہ کیسے وہ اپنی محدود سوچ سے باہر آ سکتے ہیں۔ کیسے رسک لے کر، ہنر سیکھ کر، اور ہمت کر کے وہ اپنی دنیا خود بنا سکتے ہیں۔

یہ جہاں ہے تیرا، تُو ہی ہے اس کا خدائی
جا، خواب بُن، تعبیر تُو خود ہے بھائی

ایک دن، جب فیضان بابا کریم کے پاس گیا، وہ کچھ کمزور لگ رہے تھے۔ مگر ان کی آنکھوں میں وہی چمک تھی۔

"بیٹا، زندگی میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں: ایک وہ جو شاخ سے چمٹے رہتے ہیں، اور دوسرے وہ جو اسے کاٹ کر پرواز کر جاتے ہیں۔ تمہیں ہمیشہ دوسرا بننا ہے۔"

فیضان نے سر جھکا کر کہا، "میں وعدہ کرتا ہوں، بابا۔"

بابا کریم مسکرا دیے۔ "تو جا، دنیا تیری منتظر ہے۔"

فیضان کراچی کی بلند عمارت کی چھت پر کھڑا تھا، جہاں سے شہر کا ایک وسیع نظارہ نظر آ رہا تھا۔

یہ وہی شہر تھا جہاں اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی جنگ لڑی تھی۔ مگر آج وہ جیت چکا تھا۔

"میں گِرا تھا، مگر میں نے اُڑنا سیکھ لیا "
"میں بزدل تھا، مگر میں نے جینا سیکھ لیا "
"زندگی کے سب رنگ میرے ہیں،
میں نے خوابوں کو حقیقت بنا لیا"

ہوا میں پرواز کرتے پرندوں کو دیکھ کر فیضان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

اب وہ جانتا تھا کہ اصل کامیابی وہ نہیں جو دنیا دیکھے، بلکہ وہ جو انسان خود محسوس کرے۔

بابا کریم ٹھیک کہتے تھے:

"جو ہمت کر کے اپنی شاخ کاٹ دیتے ہیں، وہی دنیا میں کچھ بڑا حاصل کرتے ہیں" !